Al Islam Message

الاسلام مشن کا ترجمان

زیرِ نگرانی

مولانا ارشد جمال

■ ■ ■ ■ ■

Al Islam message

Urdu quarterly literature

D.43/107-Bazar Sadanand.

Varanasi, U.P. (India) 221001

Mob: +91-9307324317

info@alislammission.com

April to June2011

<<<<<<>>>>>>

اللہ ہی اللہ

کوئی ہمارے ساتھ تھوڑی سی بھلائی کردے، ہماری مصیبت میں کچھ کام آجائے یا ہمیں روپے پیسے دے دے تو ہم رات دن اُسی کی گانے لگتے ہیں، ہر موقع پر اُس کی تعریف کرنے لگتے ہیں اور اُس کے ایک اشارے پر دوڑ پڑتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت کم لوگ ایسا معاملہ کرتے ہیں، جبکہ اللہ کی نعمتوں اور بھلائیوں کا کسی سے کچھ مقابلہ ہی نہیں۔ دل، دماغ، آنکھیں، زبان، ہاتھ پاؤں، بال بچے، گھر دُوار اور ہر طرح کا عیش وآرام اُس نے دیا، لیکن لوگ کس قدر ناشکرے ہیں، نہ اُس کی حمد کے نغمے گاتے ہیں نہ اُس کی یادوں کے گیت گنگناتے ہیں نہ اُس کا کہا مانتے ہیں، جبکہ وہی سب سے زیادہ اِن سب باتوں کا مستحق تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر اللہ کا ذکر کرتے تھے"۔ [ترمذی: ابواب الدعوات/ باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ (3384)

کیونکہ وہ سب سے زیادہ ذکر کے لائق ہے۔ اُس کی نعمتیں حدوشمار سے باہر ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کے احسانات ونوازشات کی گواہی دیتا ہے۔ خود اپنا جسم اس کی پروردگاری کا عظیم شہکار ہے۔ پھر بھی ہمارا دل اُس کی یاد سے خالی اور ہماری زبانیں اُس کے ذکر سے دور؟!

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! اسلامی طور طریقے میرے لئے بہت زیادہ ہوچکے ہیں۔ آپ کوئی ایسی چیز بتادیجے کہ میں اُسے مضبوطی سے تھامے رہوں۔ آپ نے فرمایا: "تمھاری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہے"۔ [ترمذی: ابواب الدعوات/ باب ماجاء فضل فی ذکر اللہ (3375)

اگر ہم اللہ کے شکر گذار اور احسان مند بندے ہیں تو ہمیں 'اللہ اللہ' کرتے رہنا چاہئے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہماری زبانوں پر 'سبحان اللہ، الحمدللہ، ماشاء اللہ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ' وغیرہ کلمات جاری رہنے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، فرشتے اُنھیں گھیر لیتے ہیں، رحمت اُنھیں ڈھانپ لیتی ہے، اُنہیں اطمینان ملتا ہے اور اللہ اپنے آس پاس والے [فرشتوں] میں اُن کا ذکر کرتا ہے"۔

[ترمذی: ابواب الدعوات/ باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ عزوجل (3378)

سنت کے بغیر کچھ نہیں

جس طرح اسلام نے سارے مذہب کو رَد کر دیا، ٹھیک اُسی طرح اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت نے دوسرے تمام نبیوں کی شریعتوں کو رَد کر دیا۔ اب صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت جاری ہوگی اور اُنہی کی سنت پر چلا جائے گا۔ جو کوئی آپ کی سنت چھوڑ کر کسی دوسرے راستے کو اختیار کرے گا، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

صحابۂ کرام اِس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ لوگ سب سے زیادہ شریعت محمدی ﷺ کی پاسداری کرنے والے اور بڑھ چڑھ کر آپ کی سنتوں کی پیروی کرنے والے تھے۔ وہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی 'سنت' کا خیال رکھتے اور جس کسی کو اُس کے خلاف پاتے فوراً اُسے ٹوک دیا کرتے۔ یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں اُنھیں کچھ سننا گوارہ ہی نہ تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ کے پاس صحابۂ کرام کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، اُسی میں حضرت بُشَیر بن کَعْب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمران بن حُصین نے ایک حدیث سنائی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''حیا سراسر بھلائی ہے، یا فرمایا: ساری کی ساری حیا بھلائی ہے''۔ اِس پر حضرت بُشیر بن کعب نے کہا: بے شک ہم بعض کتابوں میں یا حکمت کے اندر پاتے ہیں کہ بے شک حیا ہی کا حصہ اطمینان ووقار ہے اور کمزوری بھی حیا ہی کا حصہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمران کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہوگئیں۔ اُنھوں نے کہا: کیا میں نہیں دیکھتا کہ میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرر ہا ہوں اور تم اُس کے مقابلے میں بات کرر ہے ہو؟ حضرت عمران نے دوبارہ حدیث سنائی تو حضرت بُشیر نے بھی اپنی بات دہرائی، حضرت عمران پھر غضبناک ہوگئے، یہاں تک کہ صحابۂ کرام برابر کہتے رہے کہ اے ابونُجَید! [حضرت عمران کی کنیت] وہ ہم میں سے ہے۔ بے شک اُس کا کوئی حرج نہیں۔ [مسلم: کتاب الایمان/ باب شعب الایمان (61)

یعنی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی اور کی بات کرنا منافق، بے دین اور بدمذہبوں کا طریقہ ہے، لیکن حضرت بُشیر ایسے نہیں۔ جب صحابہ کو حدیث کے مقابلے میں کسی اور کی بات سننا گوارہ نہ تھا تو وہ سنت سے ہٹ کر کسی اور طریقے کو کیسے اختیار کر سکتے تھے؟

نماز سے دوری کیوں؟

یہ دوڑ دھوپ کا زمانہ ہے۔ لوگ اپنی روزی روٹی کی فکر میں حیران و پریشان ہیں۔ اس کے لئے اُنھیں ہر طرح کی محنت گوارہ ہے۔ لوگ آخر اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ صرف اِسی لئے تو کہ اُنھیں ڈر ہے کہ اگر وہ محنت سے جی چرائیں گے تو بھوکوں مرنا پڑے گا۔ گویا یہی ڈر اُن سے محنت کراتا ہے، لیکن نماز کے سلسلے میں عام لوگ سُست نظر آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ نماز ایک بھاری کام ہے، اس کے لئے نیند قربان کرنا پڑتا ہے، بستر چھوڑ کر صبح تڑکے فجر کی نماز کے لئے سخت جاڑے کی رات میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا ہوتا ہے۔ دوپہر کا تھکا ماندہ اپنی کمر سیدھی کرنا چاہتا ہے، مگر اُسے پہلے نماز پڑھنا ہے۔ شام کے وقت چاہے کتنی ہی مصروفیت ہو، عصر کی نماز اُس کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے، پھر دن بھر کی دوڑ دھوپ سے بھوکا پیاسا انسان کچھ کھانے پینے کی سوچتا ہے، لیکن مغرب کی نماز اُسے اپنی طرف بلاتی ہے۔ اب کھا پی لینے کے بعد طبیعت چاہتی ہے کہ آرام کی نیند سو جائیں، لیکن عشا کی نماز سونے سے روکتی ہے۔ چونکہ یہ ایک محنت کا کام ہے اِس وجہ سے لوگ اِس سے بھاگتے ہیں، مگر یہ کیا بات ہوئی کہ یہی لوگ روزی روٹی کے لئے ہر طرح کی محنت گوارہ کر لیتے ہیں؟ آخر یہی ڈر تو ہے کہ کہیں بھوکوں نہ مرنا پڑے؟ اگر یہ ڈر نہ ہو تو کون اتنی محنت کرے؟ اب بات سمجھ میں آ گئی کہ جو لوگ نماز سے جی چراتے ہیں اور اُس کے لئے محنت کرنے سے کتراتے ہیں، اصل میں اُن کے دل میں کوئی ڈر نہیں۔ اُنھیں اللہ سے ڈر نہیں۔ اُنھیں ڈر نہیں کہ مرنا ہے، اُنھیں ڈر نہیں کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملنا ہے، اُنھیں ڈر نہیں کہ اللہ کے سامنے حساب و کتاب دینا ہے۔ اگر مرنے کے بعد اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا ڈر ہوتا تو بھلا وہ نماز سے کیوں بھاگتے اور اُس کے لئے محنت سے جی کیوں چراتے؟ ہاں! جو لوگ ڈرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ کو منہ دکھانا ہے تو وہ لوگ اِس بوجھ کو اٹھا لیتے ہیں اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں۔ اِسی حقیقت کو قرآن نے اپنے لفظوں میں کچھ اِس طرح پیش کیا ہے:

﴿اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو اور بے شک وہ ایک بوجھ ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو ڈرنے والے ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ اُنہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور بے شک اُنہیں اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔﴾ [بقرہ:۱۵۳،۱۵۴]

انجام کی فکر

موت برحق ہے، مگر کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسی موت مرے گا؟ ایمان والے کو نہیں معلوم کہ وہ ایمان پر مرے گا یا کفر پر۔ نیک آدمی کو نہیں معلوم کہ وہ نیک رہ کر مرے گا یا گنہگار بن کر۔ ہوسکتا ہے کوئی بے ایمان مرتے مرتے ایمان والا ہو جائے اور کوئی گنہگار، نیک پارسا بن کر مرے۔

اگلے زمانے کے لوگ اپنے انجام کی فکر کرتے تھے اور اُسے سوچ سوچ کر روتے تھے اور خدا سے دعائیں کرتے تھے کہ اُنھیں ایمان اور نیکی پر موت آئے اور اب بہت کم لوگوں کو اپنے انجام کی فکر ہوتی ہے۔ زیادہ تر لوگ دوسروں کے انجام پر گفتگو کرتے ہیں، دوسروں کے ایمان و عمل پر سوالیہ نشان لگاتے رہتے ہیں اور خود اپنے ایمان، اپنی نماز، اپنی عبادتیں اور اپنی نیکیاں دیکھ دیکھ کر اتراتے ہیں اور گھمنڈ میں چور ہو کر دوسروں کو حقیر خیال کرنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اِس واقعے سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ:

''[ایک بار] رسول اللہ ﷺ کی مڈبھیڑ مشرکوں سے ہوئی پھر جنگ چھڑی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو اتنا بہادر تھا کہ اُس کا کوئی وار خالی نہیں جاتا تھا۔ وہ جس کے پیچھے تلوار لے کر پِل پڑتا اُسے مار ہی ڈالتا۔

جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر میں گئے اور مشرکین اپنے لشکر میں تو آپ کے ساتھیوں نے کہا کہ آج ہم لوگوں کی طرف سے فلاں شخص جس طرح لڑا ہے اُس طرح کوئی نہیں لڑ پایا۔ اِس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ تو جہنمی ہے''۔

اُن میں سے ایک آدمی کا کہنا ہے کہ میں اُس آدمی کے پیچھے لگا رہا اور اُس کے ساتھ ہی میدان جنگ میں گیا۔ جب وہ ٹھہرتا تو میں بھی ٹھہر جاتا اور جب وہ تیز قدموں چلتا تو میں بھی اُس کے ساتھ لپک پڑتا۔ یہاں تک کہ وہ آدمی [لڑتے لڑتے] بری طرح زخمی ہو گیا۔ [جب اُس سے درد برداشت نہ ہوسکا تو] چاہا کہ جلدی سے موت آجائے چنانچہ اُس نے تلوار کا دستہ زمین پر رکھا اور تلوار کے کنارے کو اپنے سینے پر رکھ کر زور سے دبایا۔ اِس طرح اُس نے خودکشی کر لی۔

جو آدمی اُس کا پیچھا کر رہا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ

بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ نے پوچھا: وہ کیوں؟

اس آدمی نے بتایا کہ ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ [بہادری سے لڑنے والا] "وہ آدمی جہنمی ہے"۔ تو لوگوں کو یہ بڑی بات معلوم ہوئی [کہ اتنا بڑا مجاہد جہنمی کیسے ہوجائے گا۔] تو میں نے کہا: آپ لوگوں کی خاطر اس کا سبب معلوم کرنے کے لئے میں چھپ کر اُس کا پیچھا کروں گا۔ چنانچہ میں اس کا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ وہ بری طرح زخمی ہوگیا تو اس نے چاہا کہ جلدی سے موت آجائے چنانچہ اُس نے تلوار کا دستہ زمین پر رکھا اور سرا اپنے سینے پر رکھ کر زور سے دبایا۔ اِس طرح اُس نے خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک آدمی لوگوں کی نظروں میں جنتیوں والا کام کرتا ہے حالانکہ وہ [انجام کے اعتبار سے] جہنمی ہوتا ہے اور دوسرا آدمی لوگوں کی نظروں میں جہنمیوں والا کام کرتا ہے حالانکہ وہ [انجام کے اعتبار سے] جنتی ہوتا ہے"۔ [بخاری: کتاب الجہاد والسیر / باب لایقول فلان شھید (2898)

مسلم: کتاب الایمان / باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ (179)

رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا وہ مجاہد حرام موت مرا۔ صحابۂ کرام اُس کے حال کو دیکھ کر عَش عَش کر رہے تھے، لیکن کسے پتہ تھا کہ اُس کا انجام کتنا برا ہے؟ یونہی ہمیں اپنے بارے میں بھی نہیں پتہ کہ ہمارا انجام کیا اور کیسا ہے؟ جب ہمیں اپنے انجام کی خبر نہیں تو دوسروں کے بارے ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ ہمیں اللہ کے حضور رونا گڑگڑانا چاہئے اور اپنے انجام کی بھلائی کے لئے دعائیں مانگنی چاہئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"بے شک عمل کے انجام کا ہی اعتبار ہے"۔

[بخاری: کتاب الرقاق / باب الاعمال بالخواتیم (6493)

جس آدمی کو اپنے انجام کی فکر ہوگی، وہ دوسروں کے پیچھے نہیں پڑے گا، بلکہ اپنے انجام کو بہتر بنانے اور اپنے حال کی اصلاح کرنے کی کوششیں کرے گا۔ اگر اُس کا حال بہتر اور نیک ہوگا تو وہ اُس پر گھمنڈ نہیں کرے گا، بلکہ ڈرتا رہے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخر آخر وہ گناہوں میں پڑ کر جہنم میں چلا جائے اور اُس کی ساری نیکی اور پارسائی دَھری کی دَھری رہ جائے۔

چودھراہٹ کا نشہ

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو منصب مل جاتا ہے تو وہ لوگوں کے ساتھ اِس طرح پیش آنے لگتا ہے جیسے سب اُس کے غلام ہوں ۔وہ اپنے منصب کی ذمہ داری تو کم نبھاتا ہے، ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے حقوق تو کم ادا کرتا ہے، البتہ اپنی بالا دستی قائم کرنے کی فکر میں زیادہ رہتا ہے۔اگر کوئی شخص اُس کی فرمانبرداری میں کوتاہی کرتا ہے اور اپنے عمل سے اُس کی بالا دستی کو رَد کرتا رہتا ہے تو یہ اُس منصب دار کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔وہ کسی نہ کسی بہانے اُسے ذلیل کرنے کی کوششوں میں رہتا ہے اور موقع مل جانے پر دودھ سے مکھی کی طرح نکال باہر کرتا ہے۔ اُس پر چودھراہٹ کا ایسا نشہ طاری ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط کی تمیز بھول کر ظالم بن جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ سے بڑا کس کا منصب ہوگا؟ رسالت کی ذمہ داری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔آپ کے سامنے صحابۂ کرام کی حیثیت کسی غلام سے بھی کم تھی۔یہ آقا اور غلام کا رشتہ نہیں تھا، بلکہ رسول اور اُمتی کا رشتہ تھا، اِس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ وہ شاندار سلوک اختیار کیا جس کا جواب نہیں۔آپ انتہائی اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی، آپ نے کبھی مجھ کو 'اُف' نہیں کہا۔ میں نے کچھ کیا تو آپ نے نہیں کہا کہ: تم نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کچھ نہیں کیا تو آپ نے نہیں کہا: کیا تم نے ایسا نہیں کیا؟''۔ [بخاری: کتاب الآداب/ باب حسن الخلق والسخاء:(6038)

مسلم: کتاب الفضائل/ باب کان رسول اللہ ﷺ احسن الناس خلقا(2310,2309)

رسول اللہ ﷺ برتر و بالا انسان تھے، لیکن آپ کا رَکھ رکھاؤ بالا دستوں کا سا نہیں تھا۔آپ تو حددرجہ تواضع کرنے والے، خاکسار اور رحمدل انسان تھے۔وہ اپنے ماننے والوں کو عزت دیتے تھے، اُن سے محبت کرتے تھے اور اپنے پیروکاروں کو کہتے تھے کہ یہ میرے 'اصحاب' ہیں۔یعنی یہ میرے ساتھی ہیں۔ساتھی برابری کا رشتہ ہوتا ہے، حالانکہ کوئی ایک صحابی آپ کی دھول برابر نہیں، پھر بھی کہتے تھے کہ یہ میرے ساتھی ہیں۔اِسی لئے صحابہ آپ پر جان چھڑکتے تھے۔چودھراہٹ کے نشہ میں چور، ذمہ داروں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا کردار نمونۂ عبرت ہے۔

بے نفسی اور بے نیازی

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی ہجری کے ایک تابعی بزرگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال پہلے غلام خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے سو سے زیادہ صحابۂ کرام کو دیکھا۔ اپنے زمانے میں علم وفن کے امام تھے۔ بڑے بے نفس اور بے نیاز انسان تھے۔ اُنھیں دنیا کا لالچ نہ تھا، بلکہ دوسروں کو دینے میں اُن کا ہاتھ کھلا ہوا تھا۔

اُن کی زندگی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اُن کے پاس اُن کے بیٹے سے اپنی بیٹی کا رشتہ بھیجا۔ حمید طویل نام کے ایک بزرگ اُن دونوں کے بیچ اَگوائی کر رہے تھے۔ وہ اُس نکاح کے لئے راضی ہوگئے۔ ایک دن حمید طویل اُن کے پاس بیٹھ کر اُس شخص کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگے کہ وہ پچاس ہزار درہم [چاندی کا سکے] کا آدمی ہے۔ میں آپ کو اُس میں سے دلاؤں گا۔ حضرت حسن بصری نے پوچھا: یہ پچاس ہزار اُس کی حلال کمائی نہ ہوگی؟ انھوں نے بتایا: میری معلومات میں وہ ایک پرہیزگار مسلمان ہے۔ اِس پر اُنھوں نے کہا: اگر یہ حلال کمائی کے ہیں تو اُس نے حقوق کی ادائگی میں بخل سے کام لیا۔ نہیں! خدا کی قسم! ہمارے، اُس کے درمیان کبھی سمدھی کا رشتہ نہیں ہوسکتا۔

[حلیۃ الاولیا: ۲/۱۷۳، تہذیب الکمال: ۴/۲۱۴]

یہ واقعہ ہمارے لئے کسی کہانی سے کم نہیں۔ ہمارے معاشرے میں ٹھیک اِس کا الٹا ہوتا ہے۔ اگلے زمانے کے لوگ دیندار گھرانے میں رشتہ کرتے تھے اور اب دولتمند خاندان پر سب کی نظر ہوتی ہے، چاہے وہ خاندان آوارہ ہی کیوں نہ ہو اور اُس کی دولت غریبوں کا خون چوستی رہی ہو؟!

اُنہی کا ایک اور واقعہ ہے کہ اُنھوں نے ایک بار اپنے ڈاڑھ کے دانت اکھڑوائے تو دانت اکھاڑنے والے کو ایک درہم دیا۔ لوگوں نے کہا کہ اِس کی اُجرت تو آدھا درہم ہوتی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ اُسے ایک درہم دو، کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ایک ہی درہم تقسیم کرتا ہے۔ [کتاب الزھد: ۳۷۵] لیکن آج کا مسلمان ایک سو کے حقدار مزدور کو پچاس ہی روپے دے کر ٹرخا دیتا ہے۔ آج کا مسلمان بیوپاری اپنے کاریگروں کی جائز مزدوری کا اچھا خاصہ حصہ ہڑپ لیتا ہے اور ڈراتا دھمکاتا الگ ہے۔

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود ع

عورتوں کی فطرت

عورت کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اُس کی زبان کا ہے جو اُس کے منہ کے اندر موجود ہے۔ زبان ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ ٹھیک ٹھاک ہے تو انسان کی پوری شخصیت ٹھیک رہتی ہے اور اگر وہ بگڑ گئی تو پورا انسان بگڑ جاتا ہے۔ مرد کے مقابلے میں عورت کی زبان زیادہ گڑ بڑ ہوتی ہے۔ عورت ذرا ذرا سی بات پر لعنت ملامت کرنے لگتی ہے۔ ذرا سی مصیبت پر چیخنا چلانا اور بال نوچنا اُس کی فطرت ہے۔ چونکہ عورت مرد کے مقابلے میں بنیادی طور پر کمزور ہے، اُس کا جسم بھی کمزور ہے، دل اور دماغ بھی۔ اِس لئے باہر کی چیزوں سے وہ بہت جلد متأثر ہو جاتی ہے، بدظن اور بددل بھی۔ شوہر سے زبان لڑانا اور اُس کی باتوں کو رَد کر دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ اپنی اِسی بگڑی ہوئی فطرت کی بنیاد پر عورتوں کی ایک بڑی تعداد جہنم میں جائے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''اے عورتوں کی جماعتو! تم لوگ صدقہ دو اور زیادہ سے زیادہ استغفار کرو، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جہنمیوں میں تم لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک سمجھدار عورت نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ ہم لوگوں کی تعداد جہنمیوں میں زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تم لوگ لعنت بہت بھیجتی ہو اور شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ میں نے تم لوگوں سے زیادہ عقل اور دین کا ایسا نقصان والا نہیں دیکھا جو عقل والے مرد کی عقل پر پردہ ڈال دے۔ اُس عورت نے پھر پوچھا: یارسول اللہ! عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: عقل کا نقصان یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے [اُس کے بھُلکّڑ ہونے کی وجہ سے] لھٰذا یہ دین کا نقصان ہے۔ اور [حیض کی حالت] میں کچھ دنوں تک نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے، لھٰذا یہ دین کا نقصان ہے۔

(مسلم: کتاب الایمان/باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات (132)

اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ عورت کی عادت ہے کہ چکنی چپڑی باتوں سے ہوشیار مردوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتی ہے۔ عورت اگر اپنی اِن عادتوں پر کنٹرول کرے اور اپنی فطرت کو بگاڑ سے محفوظ رکھے تو وہ دنیا کی سب سے بہترین نعمت ثابت ہوگی۔ ایسی ہی عورتوں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ساری دنیا سامانِ زندگی ہے اور دنیا کا بہتر سامانِ زندگی، نیک عورت ہے''۔

(مسند احمد: (6567)2/168)

گھمنڈ میں چور

آج کے دور میں بہت سارے لوگ احساس برتری کے شکار نظر آتے ہیں۔اک ذراسی خوبی پر اِترانے اور گھمنڈ کرنے لگتے ہیں۔اُن کی چال ڈھال،بات چیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلسل 'ہم سے اچھا کون ہے؟' کا نعرہ لگانے میں مست میں۔دوسروں کو چھوٹا اور کمتر سمجھنا اُن کی طبیعت کا خاص حصہ ہوتا ہے۔یہ بری ذہنیت ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں گھستی چلی جارہی ہے۔ایک بڑا عالم چھوٹے چھوٹے مولویوں پر برتری جتانا اپنا حق سمجھتا ہے اور وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ اس کی برادری کے لوگ اُسے سلام کیا کریں۔عزت ومنصب اور دولت وشہرت والے چاہتے ہیں کہ لوگ دیوانوں کی طرح اُن کے آگے پیچھے لگے رہیں۔اُن کی ہر بولی کو قانون اور ہر حکم کو آخری تصور کریں۔کبھی کبھی الٹی گنگا بھی بہتی ہے کہ ایک معمولی اور چھوٹا آدمی بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔وہ اپنی ذراسی خوبی پر سمجھتا ہے کہ اس وقت وہی سب سے بہتر اور برتر ہے۔اِس طرح کی سوچ غیر اسلامی ہے،کیونکہ یہ گھمنڈ اور کبر ہے۔بڑائی اور کبریائی صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔اِسی لئے مغرور اور گھمنڈ میں چور لوگ اُس کی رحمتوں سے بہت دور ہوتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی گھمنڈ ہوگا۔وہ جنت میں نہیں جائے گا''۔

(مسلم: کتاب الایمان/ باب تحریم الکبر (147)

گھمنڈ کا تعلق انسان کی سوچ اور اُس کی نیت سے ہے۔اگر کوئی قیمتی کپڑے پہنتا ہے، اچھے پکوان کھاتا ہے اور عالیشان بلڈنگوں میں رہتا ہے تو صرف اتنی سی بات سے وہ گھمنڈی نہیں کہلائے گا۔ہاں!اگر وہ پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں کو حقیر سمجھے،غریبوں کی ساگ سبزی پر ہنسے اور گھن کھائے یا جھگی جھونپڑی میں رہنے والوں اور فٹ پاتھ پر سونے والوں سے بات کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھے تو یہ گھمنڈ اور کبر ہے یا کبھی کبھی لوگ اپنی دھونس جمانے،اپنی بڑائی دکھانے اور اپنا وقار بچانے کے لئے سچی اور صحیح باتوں سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔یہ بھی گھمنڈ اور کبر ہے۔چنانچہ جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ:بے شک آدمی پسند کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں [تو کیا یہ گھمنڈ ہے؟] تو آپ نے فرمایا:بے شک اللہ سج دھج والا ہے اور وہ سج دھج کو پسند کرتا ہے۔گھمنڈ تو حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے''۔(مسلم: کتاب الایمان/ باب تحریم الکبر (147)

حضرت عدی بن حاتم کا قبولِ اسلام

عدی بن حاتم، مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلۂ طے کے سردار تھے جو اپنی قوم کی فوج سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ پاتے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے بے حد نفرت کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا لشکر قبیلۂ طے میں داخل ہوا تو وہ اپنی بہن کو وہیں چھوڑ کر بال بچوں کے ساتھ ملک شام بھاگ گئے۔ وہ تو بچ نکلے لیکن اُن کی بہن گرفتار ہوگئی۔ بعد میں اُس کی منت سماجت پر رسول اللہ ﷺ نے اُس کی قوم کے ایک معتبر آدمی کے سپرد کر کے اُسے روانہ کر دیا۔ روانگی کے وقت آپ نے اُسے پوشاک دی، سواری کا انتظام کیا اور کچھ زادِ راہ مہیا کر دیا، وہ اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ ملک شام آ گئی۔ جب وہ عدی بن حاتم کے پاس پہنچی تو اُس نے عدی کو بہت برا بھلا کہا کہ تم ظالم ہو! تمھیں رشتے کا پاس نہیں! تم اپنے بال بچوں کے ساتھ یہاں آ گئے، لیکن اپنے والد کی بیٹی کو وہیں چھوڑ دیا؟! اُنھوں نے کہا: بہن! اچھی بات بولو۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو، درست ہے۔ میرے پاس اِس کے لئے کوئی عذر نہیں، پھر وہ اُنہی کے پاس رہنے لگی۔ اُن کی بہن ایک دانشمند عورت تھی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ: تم نے اُس آدمی [محمد ﷺ] کو کیسا پایا؟ اُس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ تم جلد از جلد اُن سے ملاقات کرو، کیونکہ اگر وہ نبی ہیں تو اُن کی طرف پہل کرنے میں فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو یمن کی عزت میں کبھی ذلیل نہ ہو گے۔ تم خود ہی سمجھدار ہو۔ عدی بن حاتم نے بہن کا جواب سن کر کہا: اللہ کی قسم! یہ درست رائے ہے۔ چنانچہ وہ مدینے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ اُس وقت آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اُنہوں نے سلام پیش کیا۔ آپ نے پوچھا: کون آدمی ہے؟ اُنھوں نے کہا: عدی بن حاتم۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور اُنہیں ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ آپ اُنھیں اپنے گھر لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھی، کمزور عورت سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے آپ کو روکا تو آپ رک گئے اور دیر تک کھڑے ہو کر اُس کی ضرورتوں سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ عدی بن حاتم نے اپنے جی میں سوچا کہ...... یہ کوئی بادشاہ نہیں لگتے۔ پھر آپ اُنھیں لے کر آگے بڑھے اور اپنے گھر آ گئے۔ آپ نے کھجور کی چھالوں سے بھری ہوئی چمڑے کی ایک چادر لی اور اُسے اُن کے آگے بچھاتے ہوئے کہا کہ: بیٹھو! اُنھوں نے کہا کہ: آپ اِس پر بیٹھئے! آپ نے کہا: نہیں! آپ بیٹھیں۔ چنانچہ وہ چادر پر بیٹھ گئے اور خود رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھے۔ اُنھوں نے

اپنے جی میں کہا کہ: اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کی شان نہیں۔

پھر آپ نے کہنا شروع کیا: ''اے عدی بن حاتم! کیا تم ''رَکُوسی'' (نصرانیت اور ستارہ پرستی سے ملا جلا مذہب ماننے والے) نہیں؟

اُنھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے کہا: کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے؟ اُنھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے کہا: وہ تو تمھارے مذہب میں حلال نہیں۔ اُنھوں نے کہا: اللہ کی قسم! درست فرمایا۔ اِن باتوں سے اُنھوں نے سمجھ لیا کہ وہ نبی مرسل ہیں جنھیں غیر معروف باتیں معلوم ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اے عدی تم جو چوتھائی حصہ پا رہے ہو شاید اِس دین [اسلام] میں داخل ہونے سے یہی چیز تمھیں روک رہی ہے۔ اللہ کی قسم! عنقریب دولت اِس طرح بہے گی کہ کوئی اُسے لینے والا نہیں ہوگا۔ شاید اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات تمھیں روک رہی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور اُن کے دشمن زیادہ ہیں۔ اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے بے خوف کعبے کی زیارت کرنے آئی ہے۔

شاید اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات تمھیں روک رہی ہے کہ حکومت اور بادشاہت دوسرے لوگوں کے قبضے میں ہے۔ اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ بابل کے سفید محلوں کو اِن مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ اِن سب باتوں کو سن کر عدی بن حاتم اسلام لے آئے۔

اسلام لانے کے بعد عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ اس کے دو تین سال بعد ہی میں نے دیکھ لیا کہ بابل کے سفید محلوں کو فتح کر لیا گیا۔ میں نے دیکھ لیا کہ ایک عورت قادسیہ سے بے خوف اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حج کعبہ کے لئے آئی۔ اللہ کی قسم! تیسری بات بھی ضرور ہو کر رہے گی کہ دولت پانی کی طرح بہے گی، اُسے لینے والا کوئی نہ ہوگا۔

(سیرۃ ابن اسحٰق: 268+267, سیرۃ ابن ہشام: 4/234+236)

عدی بن حاتم نے مدینے جا کر اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ٹھاٹھ باٹھ بادشاہوں جیسا نہیں، آپ تو حد درجہ خاکسار، ملنسار اور دردمند انسان ہیں، ہمارے اندرونی حالات کی بھی اُنھیں خبر ہے۔ حضرت عدی بن حاتم کو یقین آ گیا تھا کہ ضرور یہ کوئی غیر معمولی شخصیت ہے، چنانچہ وہ اُسی وقت مسلمان ہو جاتے ہیں۔

اعتماد اور غفلت

16 دسمبر 2009 کو مجھے ایک تقریری پروگرام کے لئے اکبر پور اسٹیشن سے لکھنؤ اور پھر لکھنؤ سے ممبئی تک کا سفر کرنا تھا۔ یہ پروگرام ذرا عجلت میں مرتب ہوا تھا۔ میں نے اپنے ایک شاگرد کو تتکال ٹکٹ کے لئے اکبر پور روانہ کیا جو میری رہائش سے تقریباً 28 کلومیٹر دور واقع تھا۔ 6 بجے شام، اُس کی کال آئی کہ یہاں اکبر پور میں ایک پروگرام چل رہا ہے، میں اُس میں شرکت کرنا چاہتا ہوں، لھٰذا آج رات میں یہیں گزاروں گا، پھر صبح، آپ سے اسٹیشن پر ملاقات کر کے، ٹکٹ آپ کے حوالے کر دوں گا۔ اُس کے اصرار پر میں نے حامی بھر لی اور اُس کی باتوں پر اعتماد کر کے میں مطمئن ہو گیا۔ یہ 15 دسمبر کا معاملہ تھا۔

16 دسمبر کی صبح تھی اور نماز فجر سے فارغ ہو کر میں چائے پی رہا تھا۔ میں نے رات ہی میں سونے سے پہلے سامان درست کر لئے تھے۔ اب مجھے اپنا سفری بیگ اٹھانا تھا اور کمرے سے نکل پڑنا تھا۔ میں فیملی کواٹر کی گیلری میں کھڑا، گزرنے والے کسی طالب علم کا انتظار کر رہا تھا تا کہ وہ میرے لئے رکشہ لے کر آئے۔ ایک طالب علم گزرا اور میں نے اُسے آواز دی۔ اتفاق سے وہ میرے اُسی شاگرد کا کلاس فیلو نکلا جسے میں نے کل ٹکٹ کے لئے روانہ کیا تھا۔ مجھے 3 کلومیٹر طے کر کے روڈویز پہنچنا تھا، جہاں سے اکبر پور کے لئے بس پکڑنی تھی۔ میں روڈویز پہنچ ہی رہا تھا کہ اچانک اُس شاگرد کے ایک دوسرے ساتھی کی کال آئی۔ وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ ٹکٹ آپ کے پاس ہے؟

میں نے کہا: نہیں، وہ تو اکبر پور میں تمھارے فلاں ساتھی کے پاس ہے جو مجھ سے مل کر ٹکٹ میرے حوالے کر دے گا۔

اُس نے بتایا: وہ تو یہاں کمرے میں پڑا سو رہا ہے، وہ رات ہی آ گیا تھا۔

میں نے کہا: ارے اُسے جگاؤ اور کہو کہ جلد میرا ٹکٹ لے کر روڈویز آئے، میں پہنچنے ہی والا ہوں۔

15 منٹ کے بعد میں نے اُسے دیکھا کہ وہ سائیکل سے چلا آ رہا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا تم رات کب آئے؟ اُس نے جواب دیا: پروگرام ختم ہونے کے بعد ساڑھے تین بجے آ کر کمرے

میں سوگیا تھا۔ بہر حال میں نے اُس سے ٹکٹ لیا اور اکبر پور کے لئے روانہ ہوگیا۔

*****

اِس واقعے میں میرے لئے چند عبرتیں پوشیدہ تھیں۔

'اعتماد' کا بھی عجیب حال ہے۔ اِس کے بغیر کام بنتا بھی نہیں اور بڑے سے بڑا فریب اور نقصان بھی اِسی وجہ سے اٹھانا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی 'اعتماد' کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ بھروسے کے آدمی پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔ کچھ لوگ موافق حالات میں 'اعتماد' کرتے ہیں اور کچھ ناموافق حالات میں نہیں کرتے۔ میری رائے میں اعتماد کا تعلق انسان سے نہیں، بلکہ اللہ سے ہے، جسے قرآن کی اصطلاح میں ''توّکل'' کہا جاتا ہے۔ انسان اپنے تجربات اور حالات کی روشنی میں جو چاہے معاملہ کرے، لیکن اُس معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دے اور اُسی پر اعتماد اور توّکل کرے، نہ کہ اُس معاملہ میں اپنے جیسے ایک انسان پر۔ اللہ پر توکل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ معاملہ اللہ کی نگرانی میں آجاتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ...... اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اُسے کافی ہوگا۔

اگر بندے کے حق میں وہ معاملہ مفید ہوتا ہے تو وہ معاملہ طے ہوجاتا ہے اور اگر مضر ہوتا ہے تو وہ معاملہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی عام 'سنۃ اللہ' ہے، الا ماشاءاللہ۔ اللہ پر اعتماد کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب بندے کا معاملہ بگڑ جاتا ہے تو وہ مایوسی کا شکار نہیں ہوتا، بلکہ صبر و شکر کی نفسیات میں جیتا ہے اور ٹینشن سے محفوظ رہتا ہے۔

جو لوگ اِس راز سے واقف نہیں، وہ صرف اپنے جیسے ایک انسان پر اعتماد کر لیتے ہیں اور اپنے درمیان خدا کو نہیں لاتے۔ چنانچہ اُن کا معاملہ جب بگڑ جاتا ہے تو وہ سخت مایوسی کے شکار ہوجاتے ہیں اور ہائے وائے کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ مایوسی خودکشی کی انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔

خدا کی نصرت و حمایت بھی اُس کی قدرتوں کی عجیب و غریب نشانی ہے۔

عین موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بے شان و گمان مدد فرماتا ہے۔ بندے جہاں سے نکلنے کی سوچ بھی نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ وہیں ایک کشادہ دروازے کا انتظام کر دیتا ہے۔

''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً ''...... اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ اُس کے لئے کوئی

راستہ نکال دے گا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ رکشہ کرائے پر لانے کے لئے مجھے جو طالب علم ملا، وہ اُس شاگرد کا کلاس فیلو نکلا اور اُسی کے کمرے کے بغل میں اُس کا کمرہ تھا۔ اِس طرح بہت جلد اُس تک یہ خبر پہنچ گئی کہ میں بے ٹکٹ ہی نکل پڑا ہوں۔ خدانخواستہ وہ کوئی دوسرا طالب علم ہوتا تو اُس شاگرد کو خبر ملتے ملتے دیر ہو چکی ہوتی۔ رکشہ لانے والے طالب علم کا ملنا سادہ زبان میں ایک اتفاق تھا، لیکن حقیقی معنوں میں وہ اللہ کی مدد تھی جو میرے لئے ایک 'مخرج' کا انتظام کر رہی تھی۔

*****

یہ ایک حادثہ تھا جو میرے ساتھ ہوتے ہوتے رہ گیا اور اِس کی اصل بنیاد اُس شاگرد کی نیند تھی۔ اُس نے سوچا ہوگا کہ صبح اُٹھ کر میں ٹکٹ استاذ کے حوالے کر دوں گا۔

انسان پر مختلف طرح سے غفلت طاری ہوتی رہتی ہے، لیکن جب وہ نیند میں ہوتا ہے تو سب سے زیادہ غفلت کی حالت میں رہتا ہے۔ میں نے جب اِس واقعے پر غور کیا تو ایک بات میرے ذہن میں آئی۔ اسلام میں پانچ وقتوں کی نمازیں فرض ہیں۔ اُن میں سے ایک صبح کی نماز (فجر) ہے جو سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ صبح کے وقت انسان گہری نیند میں ہوتا ہے، یعنی مکمل غفلت کی حالت میں۔ صبح کی نماز فرض کر کے اللہ تعالیٰ نے غافل انسان کو ہوشیار مومن بنانا چاہا ہے۔ اللہ کا جو بندہ صبح کی گہری نیند سے اُٹھ کر فجر کی نماز پڑھنے کا عادی ہوتا ہے، وہ دوسرے اوقات میں، کم سے کم غفلت کی حالت میں رہتا ہے۔ یہ صرف مذہبِ اسلام کی برکت ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو صبح کی غفلت سے نکلنے پر مجبور کرتا ہے۔ جو بے نمازی ہوتا ہے، اُسے غفلت کی حالت سے نکلنے کی مشق نہیں ہوتی۔ بے نمازی غافل ہوتا ہے اور نمازی دانا اور ہوشیار۔

جو لوگ دنیا میں غفلت کی زندگی جیتے ہیں، اصل میں وہ نیند کی حالت میں ہیں۔ یہ لوگ اپنی اِس گہری نیند سے اُس وقت بیدار ہوں گے، جب اُنھیں موت کا حادثہ پیش آئے گا، لیکن اِس حادثہ کے بعد جاگنا کوئی جاگنا نہیں۔ وقت پر بیدار ہونا صحت مند ہونے کی علامت ہے اور بے وقت کی بیداری، بیماری۔